جالپا نے تھیلی دیکھ کر پوچھا۔ کیا کنگن نہ ملا۔

ابھی تیار نہ تھا۔ میں روپے اٹھا لایا۔

رتن بھی آتی ہو گی۔ اسے چین کہاں۔

جب چراغ جلے تک رتن نہ آئی۔ تو رامو نے سمجھا اب نہ آئے گی۔ روپے الماری میں رکھ دیئے اور گھومنے چل دیا۔ مگر ابھی اسے گئے دس منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ رتن آ پہنچی۔ اور آتے ہی آتے بولی۔ کنگن تو آ گئے ہونگے۔

جالپا نے تمسخر کے انداز سے کہا۔ ہاں آ گئے ہیں لو بیچارے کئی دفعہ صراف کے پاس گئے۔ ظالم دیتا ہی نہیں، حیلے حوالے کرتا ہے۔

رتن بے گمان ہو کر بولی۔ کیسا صراف ہے کہ اتنے دنوں سے حیلے حوالے کر رہا ہے۔ میں جانتی کہ روپے ایسے جھمیلے میں پڑ جائیں گے تو دیتی ہی کیوں۔ نہ روپے ملتے ہیں نہ کنگن ملتا ہے۔

رتن نے یہ الفاظ کچھ ایسے دل دوز طریقے سے کہے کہ جالپا بپھر اٹھی۔ بولی آپ کے روپے رکھے ہوئے ہیں، جب چاہے لے جائیے۔ اپنے بس کی بات ہے، نہیں۔ آخر جب صراف دیگا بھی تو لائیں گے۔

کچھ وعدہ کرتا ہے کب تک دے گا؟

"اس کے وعدوں کا کیا اعتبار؟ سینکڑوں وعدے تو کر چکا ہے۔"

"تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کنگن نہ بنائے گا۔"

"جو چاہے سمجھ لو۔"

"تو لاؤ روپے ہی دے دو۔ باز آئی ایسے کنگن سے۔"

جالپا جھمک کر اٹھی، الماری سے تھیلی نکالی اور رتن کے سامنے پٹک کر بولی۔ آپ کے روپے رکھے ہیں لے جائیے۔

فی الواقعہ رتن کی بے صبری کا وہی سبب تھا جو رما نے سمجھا تھا۔ اُسے گمان ہو رہا تھا کہ ان لوگوں نے میرے روپے خرچ کر ڈالے۔ روپے سامنے دیکھ کر اس کے شکوک کا ازالہ ہو گیا۔ شرمندہ ہو کر بولی۔ اگر دو چار دن میں دینے کا وعدہ کرتا ہو تو روپے رہنے دو۔

جالپا نے بے اعتنائی سے کہا۔ مجھے تو امید نہیں کہ اتنی جلدی دے۔ چیز تیار ہونے پر روپے مانگ لئے جائیں گے۔

رتن نے بہت اصرار کیا کہ جالپا روپے رکھ لے۔ موقع پر روپے نہ مل سکے تو شرمندگی ہو۔ لیکن جالپا راضی نہ ہوئی۔ بولی۔ پرائی رقم گھر میں رکھنا خطرہ کی بات ہے۔ کوئی گول مال ہو جائے تو مفت میں تاوان دینا پڑے۔ میری شادی کے چوتھے ہی دن میرے سارے گہنے چوری چلے گئے۔ ہم لوگ جاگتے ہی رہے، نگو نہ جانے کب آنکھ لگ گئی اور چوروں نے اپنا کام کر لیا۔ دس ہزار کی چپت پڑ گئی کہیں وہی حادثہ پھر ہو جائے تو کہیں کے نہ رہیں۔

رتن نے مایوس ہو کر روپے موٹر میں رکھے اور چلی گئی۔ جالپا خوش تھی کہ سر سے بوجھ ٹلا۔ رتن کو افسوس تھا کہ ناحق روپے واپس مانگے۔ کہیں لوگوں نے میری بدگمانی بھانپ نہ لی ہو۔

رما نو بجے گھوم کر لوٹا۔ جالپا اسے دیکھتے ہی بولی۔ رتن آئی تھی میں نے اس کے سب روپے دے دیئے۔

رما کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ آنکھیں پھیل کر پیشانی پر جا پہنچیں۔ گھبرا کر بولا کیا کہا۔ رتن کے روپے دے دیئے۔ یہ تم سے کس نے کہا تھا جالپا بولی۔ اسی کے روپے تو تم نے لا کر رکھے تھے، تم خود اس کا انتظار کرتے رہے، تمہارے جاتے ہی وہ آئی۔ اور کنگن مانگنے لگی۔ میں نے جھلا کر اس

کے روپے پھینک دیئے۔

رما نے غصّہ کو ضبط کر کے کہا۔ اس نے روپے مانگے تو نہ تھے۔

جالپا۔ مانگے کیوں نہیں۔ ہاں جب میں نے دے دیئے تو البتہ کہنے لگی اسے کیوں لوٹاتی ہو۔ میں نے کہا کہ ایسے تنگی مزاج والوں کے روپے میں نہیں رکھتی۔

رما کو ایسا نکان معلوم ہوا کہ اس سے کھڑا نہ رہا گیا۔ توکل کے انداز سے بولا۔ ایشور کے لئے تم مجھ سے بغیر پوچھے ایسے کام مت کیا کرو۔

جالپا یہ معمہ کیا سمجھے۔ بولی۔ تو ابھی کیا ہوا۔ اس کے پاس جا کر روپے مانگ لاؤ۔

رما چارپائی پر بیٹھ کر سر پر ہاتھ رکھے ہوئے صورت حال پر غور کرنے لگا۔ جالپا پر ناراض ہونا بے انصافی تھی۔ جب اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ روپے رتن کے ہیں، اور یہ اشارہ تک نہ کیا کہ مجھ سے پوچھے بغیر روپے رتن کو مت دینا۔ تو جالپا کی کوئی خطا نہیں۔ رتن سے کس طرح روپے واپس لینے چاہئیں جس وقت وہ یہاں آئی تھی کاش وہ خود موجود ہوتا۔ تو کتنی خوبصورتی سے ساری مشکل آسان ہو جاتی۔ آخر اس نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ آج رتن آئے گی نہیں۔ ایک دن گھومنے نہ جاتا تو کون مرا جاتا تھا۔ ضرور کوئی غیبی طاقت اس کی تباہی کے سامان جمع کر رہی ہے۔ دس منٹ کی غیر حاضری نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ روپے رکھ لیجئے۔ جالپا نے ذرا دانائی سے کام لیا ہوتا۔ نہیں! اس نے کوئی دانائی نہیں کی۔ اس جگہ رما خود وہی کرتا۔ سوال یہ ہے کہ رتن سے روپے واپس کیسے لئے جائیں۔ کیوں نہ جا کر رتن سے کہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ روپے لوٹانے سے ناراض ہو گئی ہیں۔ دراصل میں روپے واپس دینے کو نہ لایا تھا۔ اس لئے مانگ لایا تھا کہ صراف خوب تندہی سے کام کرے۔ رما نے سوچا شاید رتن شرمندہ ہو کر خود ہی معافی مانگے اور روپے دے دے۔ اس

سے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ رتن ضرور گھر پر ہوگی رمانے سائیکل اٹھائی اور اس سے ملنے چلا۔

رتن کے بنگلے پر آج بڑی بہار تھی۔ یہاں ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی دعوت کوئی نہ کوئی جشن ہوتا رہتا۔ رتن کی طبیعت اس خلوت اور تنہائی سے تنگ آکر ان دلچسپیوں کی طرف اسی طرح لپکتی تھی جیسے پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ اس وقت وہاں بچوں کا جمگھٹ تھا۔ ایک آم کے درخت میں جھولا پڑا ہوا تھا۔ بجلی کی بتیاں جل رہی تھیں۔ بچے جھولا جھول رہے تھے اور رتن جھلا رہی تھی۔ ہُو۔ حق مچا ہوا تھا۔ وکیل صاحب اس موسم میں بھی اونی اور کوٹ پہنے برآمدے میں بیٹھے سگار پی رہے تھے۔

رما کا جی چاہا کہ جھولے کے پاس جاکر رتن سے باتیں کرے۔ مگر وکیل کو کھڑے دیکھ کر مارے لحاظ کے ادھر نہ جا سکا۔

وکیل صاحب نے اسے دیکھتے ہی ہاتھ بڑھا دیا اور بولے۔ اور رما بابو کہو۔ تمہارے میونسپل بورڈ کی کیا خبریں ہیں۔

رما نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔

وکیل۔ آپ کے بورڈ میں لڑکیوں کی لازمی تعلیم کی قرارداد کب پاس ہوگی؟ اور کئی بورڈوں نے تو پاس کر دیا۔ جب تک عورتوں کی تعلیم کا رواج نہ ہوگا ملکی ترقی غیر ممکن ہے۔ آپ تو یورپ نہ گئے ہوں گے۔ واہ! کیا آزادی ہے۔ کیا دولت ہے کیا زندگی ہے کیا جوش ہے۔ بس معلوم ہوتا ہے کہ یہی جنت ہے اور عورتیں بھی سچ مچ دیویاں ہیں۔ اتنی خوش مزاج۔ اتنی آزاد! یہ سب عورتوں کی تعلیم کی برکت ہے۔

رما نے اخباروں میں ان ملکوں کا تھوڑا بہت حال پڑھا تھا۔ اسی اعتبار سے بولا۔ وہاں عورتوں کے اطوار تو بہت اچھے نہیں ہیں۔

وکیل۔ نان سنس۔ اپنے اپنے ملک کا رواج ہے۔ آپ ایک حسینہ کو کسی کے ساتھ

تنہا دیکھ کر دانتوں میں انگلی دبالتے ہیں۔ ہم اتنے بدگمان ہو گئے ہیں کہ عورت اور مرد کو یکجا دیکھ کر شبہ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ لیکن جہاں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ پڑھتی ہیں وہاں جنسی اختلاف کا وجود ہی نہیں رہتا۔ آپس میں شوق اور دلچسپی کی اتنی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ جنسیت کے لئے بہت تھوڑی گنجائش رہ جاتی ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ جس ملک میں عورتوں کو جتنی ہی آزادی حاصل ہے وہ ملک اتنا ہی مہذب ہے۔ عورتوں کو قید میں پردہ میں یا مردوں سے کوسوں دور رکھنے کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ آپ کے یہاں لوگ اتنے بداطوار ہیں کہ عورتوں کی توہین کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ نوجوانوں کے لئے ملکیات، مذہب، فنون لطیفہ، ادبیات، فلسفہ، تاریخ، نظریات اور ہزاروں ہی ایسے مضامین ہیں جن کی بنا پر آپس میں گہرے تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں۔ میں سال بھر امریکہ اور یورپ میں رہ چکا ہوں، کتنی ہی عورتوں کے ساتھ میرا ربط ضبط تھا، ان کے ساتھ سیر کی ہیں، مباحثے کئے ہیں، لیکن کسی نوجوان کو ایسے چرچے کرتے نہیں سنا جس پر کوئی عورت شرم سے سر جھکائے اور پھر اچھے اور برے کہاں نہیں ہیں۔

رما کو اس وقت اس موضوع میں کوئی لطف نہ آیا۔ وہ تو دوسری ہی فکر میں پریشان تھا۔

مگر وکیل صاحب کی طبیعت روانی پر تھی۔ پھر بولے۔ جب تک ہم مردوں اور عورتوں کو آزادی کے ساتھ ساتھ اپنا اپنا ذہنی نشوونما نہ کرنے دینگے، ہم زوال کی طرف گرتے جائیں گے۔ بندشوں سے سماج کا پیرہ باندھئے۔ اس کے گلے میں قیدوں کی زنجیر ڈالئے۔ بیواؤں کی شادی کیجئے۔ خوب زوروں سے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ جب کوئی ادھیڑ آدمی کسی جوان عورت سے شادی کر لیتا ہے، تو کیوں اتنا کہرام مچ جاتا ہے۔ یورپ میں اسی اسی سال کے بوڑھے جوان عورتوں سے شادی

کرتے ہیں۔ مترسال کی بوڑھیاں جوان مردوں سے کرتی ہیں۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی ہم بوڑھوں کو موت آنے سے پہلے ہی مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انسان کو اگر کبھی رفیق کی ضرورت ہوتی ہے تو بڑھاپے میں جب اسے ہمیشہ کسی دستگیر کی خواہش ہوتی ہے جب وہ دوسروں کا دست نگر ہو جاتا ہے۔

رما کا دھیان جھولے کی طرف تھا۔ کسی طرح رتن سے دو دو باتیں کرنے کا موقع ملے۔ اس وقت اسے یہی دھن لگی ہوئی تھی، مگر اس کا وہاں جانا آداب مجلس کے خلاف تھا۔ آخر اس نے وکیل صاحب سے پوچھا۔ آج اتنے لڑکے یہاں کیسے آ گئے۔

وکیل صاحب نے محبت آمیز لہجہ میں کہا۔ اجی کچھ نہ پوچھئے۔ رتن بائی کو بچوں سے بڑی محبت ہے، نہ جانے کہاں سے اتنے لڑکے جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کو جھولے سے کچھ شوق ہے تو جایئے۔

رما تو یہ چاہتا ہی تھا۔ چٹ پٹ جھولے کے پاس جا پہنچا۔ رتن اُسے دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ ان شیطانوں نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے، جھولے سے ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ آیئے ذرا آپ بھی بیگار کھیئے۔ میں تو تھک گئی۔ یہ کہہ کر وہ پکے چبوترے پر بیٹھ گئی۔ رما جھونکے دینے لگا۔ بچوں نے نیا آدمی دیکھا تو سب کے سب اپنی باری کے لئے بیقرار ہو گئے۔ رتن کے ہاتھوں وہ دو باریاں آ چکی تھیں، مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کچھ لڑکے تو تیسری بار جھولیں اور باقی بیٹھے منہ تاکتے رہیں۔ دو اترے تو چار بیٹھے، رما کو بچوں سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، مگر اس وقت پھنس گیا تھا کیا کرتا۔

آخر آدھ گھنٹہ بیگار کے بعد اس کا جی اوب گیا۔ گھڑی میں ساڑھے نو بج رہے تھے۔ مطلب کی بات کیسے چھیڑے۔ رتن تو جھولے میں اتنی مگن تھی گویا اسے دلوں کی یاد ہی نہیں ہے، یکایک اس نے رما سے کہا۔ بابو جی میں جھولے پر بیٹھتی ہوں۔ آپ مجھے جھلایئے، مگر نیچے سے نہیں۔ جھولے پر کھڑے ہو کر پینگ مار یئے۔

رما بچپن ہی سے جھولے پر بیٹھتے ڈرتا تھا۔ ایک بار دوستوں نے زبردستی جھولے پر آنے کے لئے مجبور کر دیا۔ مگر اپنی مجبوری کا اظہار کیونکر کرتا۔ رتن دو بچوں کو لے کر بیٹھ گئی اور یہ گیت گانے لگی۔

کدم کی ڈریاں جھولا پڑ گیو ری

رادھا رانی جھولن آئی

رما جھولے پر کھڑا ہو کر پینگ مارنے لگا۔ لیکن اس کے پاؤں کانپ رہے تھے اور دل بیٹھا جاتا تھا۔ جب جھولا اوپر سے گرتا تھا تو اسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی رقیق شے اس کے سینے کے اندر چبھتی چلی جا رہی ہے اور رتن بچوں کے ساتھ گا رہی تھی۔

کدم کی ڈریاں جھولا پڑ گیو ری

ایک لمحہ کے بعد رتن نے کہا۔ ذرا اوپر بڑھائیے صاحب، آپ سے تو جھولا بڑھتا نہیں۔

رما نے شرمندہ ہو کر اور زور لگایا مگر جھولا نہ بڑھا۔ رما کے سر میں چکر آنے لگے۔

رتن۔ آپ کو پینگ مارنا نہیں آتا۔ کبھی جھولا نہیں جھولے۔

رما نے جھینپتے ہوئے کہا۔ ہاں ادھر تو برسوں سے نہیں جھولا۔

رتن تو آپ بچوں کو سنبھال کر بیٹھئے۔ میں آپ کو جھولاؤں گی۔ اگر جھولا اس ڈال کو چھولے تو کہنا۔

رما کی روح فنا ہو گئی۔ بولا۔ آج بہت دیر ہو رہی ہے پھر کبھی آؤں گا۔

رتن۔ ابھی کیا دیر ہو گئی ہے۔ دس بھی تو نہیں بجے۔ گھبرائیے نہیں۔ ابھی بہت رات پڑی ہے خوب جھول کر جائیے گا۔ کل جالپا دیوی کو بھی لائیے گا۔ ہم دونوں

جھولیں گے۔

رما جھولے پر سے اتر آیا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ سر میں ایسا چکر آرہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا ابھی گرا۔ اب گرا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا سائیکل کی طرف چلا۔ اور اس پر بیٹھ کر بھاگا۔

کچھ دور تک اسے ہوش نہ رہا۔ پاؤں آپ ہی آپ پیڈل گھماتے جاتے تھے۔ آدھی دور جانے کے بعد اُسے ہوش آیا۔ اس نے سائیکل گھما دی۔ کچھ دور چلا۔ پھر اتر کر سوچنے لگا۔ اب کیا کرے۔ آج ملاحظہ میں پڑ کر اس نے کتنا چرکا کھایا۔ کیوں اس کے منہ سے آواز نہیں نکلی۔ رتن کوئی ہوّا تو نہیں جو اسے کھا جاتی۔

دفعتہً اسے یاد آیا۔ اس تھیلی میں آٹھ سو روپے تھے۔ شاید رتن نے روپے گنے نہیں۔ ورنہ ضرور ذکر کرتی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تھیلی کسی کو دیدے یا اسے اور روپوں کے ساتھ ملا دے۔ پھر تو غضب ہی ہو جائے گا کہیں کا نہیں رہوں۔ کیوں نہ اسی وقت چل کر بیٹھی روپیہ مانگ لاؤں۔ لیکن اب تو دیر بہت ہو گئی۔ سویرے پھر آنا پڑیگا

اس نے پھر سوچا، مگر یہ دو سو روپے مل بھی گئے، پھر بھی تو پانچسو روپیوں کی کمی رہے گی۔ اس کا کیا انتظام ہوگا۔ اب تو الیشوری بیڑا پار لگائے تو لگے گا۔ صبح تک کوئی انتظام نہ ہو سکا تو مصیبت کا سامنا ہوگا۔

زندگی میں ایسے موقع بھی آتے ہیں جب مایوسی میں بھی ہمارا شہ امید نہیں ٹوٹتا رما نے سوچا۔ ایک بار پھر گنگو کے پاس چلوں۔ اس کے ہاتھ پاؤں پڑوں۔ ممکن ہے اسے کچھ رحم آجائے۔ وہ فوراً حرافہ جا پہنچا۔ مگر گنگو کی دکان بند تھی۔ وہ پیچھے پھرا ہی تھا کہ چرندا اس آتا ہوا نظر آیا۔ رما کو دیکھتے ہی بولا۔ بابو جی آپ نے تو ادھر کا راستہ ہی چھوڑ دیا۔ کہیئے روپے کب تک ملیں گے۔

رما نے عاجزی کے ساتھ کہا۔ اب بہت جلد ملے جاتے ہیں دیر نہیں ہے گنگو کے روپے ادا کر چکا ہوں۔ اب تمہاری باری ہے۔

چرنداس، اجی وہ سب قصہ معلوم ہے، لگگو نے ہوشیاری سے روپے وصول نہ کرلئے ہوتے تو ہماری طرح بیٹھتے ٹاپتے۔ سال گزر رہا ہے، روپیہ سیکڑہ سود بھی لگائیے تو چوراسی روپئے ہوتے ہیں، کل دوکان پر آکر حساب کر جائیے پورا نہیں تو آدھا تہائی کچھ تو دیجئے۔ لین دین جاری رہنے سے مہاجن کی تسلی رہتی ہے، کان میں تیل ڈالے سے بیٹھے رہنے سے اسے شبہ ہونے لگتا ہے کہ اس کی نیت خراب ہے۔ تو کل کب آئیے گا۔

رما۔ بھائی کل میں روپئے لے کر تو نہ آسکوں گا۔ یوں جب کہو تب چلا آؤں۔ کیوں اس وقت اپنے سیٹھ جی سے چار پانچسو روپے کا بندوبست نہ کرادوگے تمہاری مٹھی بھی گرم کردوں گا۔

چرنداس، کہاں کی بات لئے پھرتے ہو بابو جی۔ انہوں نے یہی بڑا سلوک کیا کہ نالش نہیں کردی۔ آپ کے پیچھے مجھے باتیں سننی پڑتی ہیں، کیا بڑے منشی جی سے کہنا پڑے گا۔

رما نے جھلا کر کہا، تمہارا دیندار میں ہوں۔ بڑے منشی جی نہیں ہیں۔ میں مرنہیں گیا ہوں گھر چھوڑ کر بھاگا نہیں جاتا۔ اتنے بے صبر کیوں ہو جاتے ہو۔

چرنداس، سال بھر ہوا ایک کوڑی تک نہیں ملی، کہاں تک صبر کریں، کل کم سے کم دو سو کی فکر رکھئے گا۔

رما۔ میں نے کہہ دیا، میرے پاس ابھی روپے نہیں ہیں۔

چرنداس۔ یہ روز رقمیں مارتے ہو۔ وہ کہاں جاتی ہیں، گھر میں کوئی ایسا لمبا خرچ بھی تو نہیں ہے۔

رما نے اس کا کچھ جواب نہ دیا، سائیکل بڑھا دی۔ ادھر آیا تھا کہ شاید نجات کی کوئی صورت نکلے، الٹے تقاضا سہنا پڑا۔ کہیں یہ شیطان سچ مچ بابو جی کے پاس

تقاضا نہ بھیجے۔ آگ ہی ہو جائیں گے۔ جالپا بھی سمجھے گی کیسا لباڑیا آدمی ہے۔ اسوقت رما کی آنکھوں سے آنسو تو نہ نکلے تھے مگر اس کا رواں رواں رو رہا تھا۔ جالپا سے اپنی اصلی حالت چھپا کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی، وہ سمجھدار عورت ہے۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ میں اتنا تنگ دست ہوں تو وہ مجھے کبھی زیر بار نہ کرتی۔ اس نے تو کبھی اپنی زبان سے کچھ کہا ہی نہیں۔ میں ہی اپنی شان دکھانے کے لئے مرا جا رہا تھا۔ قرض کا اتنا بھاری بوجھ سر پر رکھ کر بھی اس نے کیوں نہ کفایت سے کام لیا۔ اسے ایک ایک پیسہ دانتوں سے پکڑنا چاہیئے تھا۔

اس دوران میں اس کی آمدنی ایک ہزار سے کم نہ ہوئی ہوگی۔ اگر اس نے سختی کی ہوتی تو ان دونوں مہاجنوں کے آدھے آدھے روپے ضرور ادا ہو جاتے۔ مگر وہاں تو سر پر شیطان سوار تھا۔ اس کی کیا ضرورت تھی کہ جالپا محلہ بھر کی عورتوں کو جمع کر کے روز سیر کرنے جائے۔ سینکڑوں روپے تو تانگہ والا ہی لے گیا ہوگا۔ پرسے تو بیوی پر رعب جمانے کی دھن سوار تھی۔ سارا بازار جان جائے کہ لالہ نرے لفنگے ہیں لیکن اپنی رفیق بیوی سے پردہ کیا جائے۔

وہ گھر پہنچا تو جالپا نے پوچھا کہاں چلے گئے تھے بڑی دیر لگا دی۔

رما۔ تمہارے کارن رتن کے بنگلے تک جانا پڑا۔ تم نے پوری تھیلی اٹھا کر دیدی اس میں دو سو روپے میرے بھی تھے۔

جالپا۔ تو مجھے کیا معلوم تھا۔ تم نے کہا بھی تو نہیں، لیکن اس کے پاس سے روپے جا نہیں سکتے آپ ہی بھیج دیں گی۔

رما۔ ہاں مگر سرکاری رقم تو کل داخل کرنی پڑے گی۔

جالپا۔ مجھ سے دو سو روپے لے لینا میرے پاس ہیں۔

رما کو یقین نہ آیا۔ بولا۔ کہیں ہوں۔ نہ تمہارے پاس اتنے روپے کہاں سے

آئے۔

جالپا۔ تمہیں اس سے کیا مطلب میں تو دو سو روپے کو کہتی ہوں۔

رما کا چہرہ شگفتہ ہوگیا۔ دو سو روپے یہ دیدے۔ دو سو روپے رتن سے مل جائیں۔ سو روپے اس کے پاس ہیں ہی تو کل تین سو روپے کی کمی رہ جائے گی۔ مگر وہ تین سو روپے کہاں سے آئیں گے۔ ایسا کوئی نظر نہ آتا تھا جس سے اتنے روپے ملنے کی اُمید کی جا سکے۔ جب وہ کھانا کھا کر لیٹا، تو جالپا نے کہا۔ آج کس سوچ میں پڑے ہو؟

رما۔ سوچ کس بات کا کیا میں متفکر ہوں۔

جالپا۔ ہاں کسی فکر میں پڑے ہوئے ہو۔ مگر مجھ سے چھپا رہے ہو۔

رما۔ میں نے تو تم سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔

جالپا۔ واہ تم اپنے دل کی بات مجھ سے کیوں کہنے لگے۔ رشیوں کا حکم نہیں ہے

رما۔ میں ان رشیوں کا معتقد نہیں ہوں۔

جالپا۔ وہ تو جب معلوم ہوتا جب میں تمہارے دل میں بیٹھ کر دیکھتی۔

رات کو جالپا نے ایک خوفناک خواب دیکھا۔ اور چلا پڑی۔ رما نے چونک کر پوچھا کیا ہے جالپا، کیا خواب دیکھ رہی ہو۔ جالپا نے ادھر ادھر سہمی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ بڑے عذاب میں جان پڑی ہے۔ بُرا بُرا خواب دیکھا۔

رما۔ کیا دیکھا۔

جالپا۔ کیا بتاؤں۔ کچھ کہا نہیں جاتا۔ دیکھتی تھی کہ تمہیں کئی سپاہی پکڑے لئے جا رہے ہیں۔ کتنی ڈراؤنی صورت تھی ان کی۔

رما کا خون خشک ہوگیا۔ دو چار دن قبل اس خراب کو اس نے ہنسی سے اڑا دیا ہوتا۔ اس وقت خواہ مخواہ ایک تشویش پیدا ہوگئی۔ مگر باہر سے ہنسکر بولا۔ تم نے سپاہیوں سے پوچھا نہیں، انہیں کیوں پکڑے لئے جاتے ہو۔

جالپا نہیں سمجھ رہی ہے اور میرا دل کانپ رہا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد رما نے نیند میں بکنا شروع کیا۔ اماں کہے دیتا ہوں، پھر میرا منہ نہ دیکھو گی، میں ڈوب مروں گا۔

جالپا کو ابھی نیند نہ آئی تھی، وہ ڈر گئی۔ رما کو زور سے ہلا کر بولی مجھ سے تو ہنستے تھے اور خود بکنے لگے۔ سن کر روئیں کھڑے ہو گئے۔ خواب دیکھتے تھے کیا؟

رما نے شرمندہ ہو کر کہا۔ ہاں جی نہ جانے کیا دیکھ رہا تھا کچھ یاد نہیں۔

جالپا نے پوچھا۔ اماں جی کو کیوں دھکا رہے تھے۔ سچ بتاؤ کیا دیکھتے تھے۔

رما نے سر کھجلاتے ہوئے کہا۔ کچھ یاد نہیں آتا۔ یونہی بکنے لگا ہوں گا۔

جالپا۔ اچھا تو کروٹ سونا۔ چت سونے سے آدمی بکنے لگتا ہے۔

رما کروٹ سے لیٹ گیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا گویا۔ فکر اور خوف آنکھوں میں بیٹھے ہوئے نیند کے حملوں سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جاگتے جاگتے دو بج گئے۔ دفعتہً جالپا اٹھ بیٹھی اور صراحی سے پانی انڈیلتی ہوئی بولی۔ بڑی پیاس لگی تھی کیا تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔

رما۔ ہاں جی نیند اچٹ گئی ہے۔ میں سوچ رہا تھا تمہارے پاس دو سو روپے کہاں سے آ گئے۔

جالپا۔ یہ روپے میں اپنے گھر سے لائی تھی۔ کچھ بدائی میں ملے تھے کچھ منہ دکھائی

رما۔ تب تو تم روپے جمع کرنے میں بڑی ہوشیار ہو۔ یہاں کیوں نہیں کچھ جمع کیا؟

جالپا نے مسکرا کر کہا۔ تمہیں پا کر اب روپے کی پرواہ نہیں رہی۔

رما۔ اپنی تقدیر کو کوستی ہو گی۔

جالپا۔ تقدیر کو کیوں کوسوں۔ تقدیر کو وہ روئے جس کا شوہر نکمّا ہو۔

شرابی ہو، بدچلن ہو، مریض ہو، طعنوں سے عورت کا دل چھیدتا رہے، بات بات پر بگڑے
آدمی اپنی مرضی کا ہو تو عورت اس کے ساتھ فاقہ کرکے بھی خوش رہے گی۔
رمانے تمسخر کرکے پوچھا۔ تو میں تمہارے من کا ہوں۔
جالپا نے محبت آمیز غرور سے کہا۔ میری جو امید تھی اس سے تم کہیں بڑھ کر نکلے
میری تین سہیلیاں ہیں مگر ایک کا شوہر تم جیسا نہیں۔ ایک ایم اے پاس ہے۔ مگر دائم المریض
دوسرا تعلیم یافتہ بھی ہے اور مالدار بھی مگر عیاش۔ تیسرا بالکل نکھٹو ہے۔
رما غمگین ہو گیا۔ ایسی وفادار اور خلوص کی دیوی کے ساتھ اس نے کتنا دغا کی۔
جب اتنا پردہ رکھنے پر بھی جالپا کو اس پر اتنا اعتماد ہے تو ان ظاہرداریوں کو مٹا کر اس
کی زندگی کتنی پر عافیت ہوتی۔

(۱۹)

علی الصبح رمانے رتن کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ خط میں لکھا تھا مجھے بڑا افسوس
ہے کہ کل جالپا نے آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جو اسے لازم نہ تھا۔ میری منشا ہرگز
نہ تھی کہ آپ کو روپے واپس کردوں۔ میں نے صراف کو تنبیہ کرنے کے لئے اس سے
روپے لے لئے تھے۔ کنگن دو چار روز میں ضرور مل جائیں گے۔ آپ روپے بھیج دیں
اس تھیلی میں دو سو روپے میرے بھی تھے۔ اس کا خیال رکھئے گا۔ غرض اپنی خودداری
کا لحاظ رکھتے ہوئے جتنا انکسار ممکن تھا وہ اس نے ظاہر کر دیا۔ جب تک آدمی لوٹ
کر نہ آیا وہ بڑی بے صبری سے اس کا انتظار کرتا رہا۔ سوچ رہا تھا کہیں بہانہ نہ کردے
یا گھر پر ملے ہی نہیں، یا دو چار دن بعد دینے کا وعدہ کرے۔ سارا دارومدار رتن کے روپوں پر
تھا اگر اس نے صاف جواب دے دیا تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ اس کے انکار کرنا خیال
کرکے ہی اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔ آخر نو بجے آدمی لوٹا۔ رتن نے دو سو روپے تو دے

دیئے تھے مگر خط کا جواب نہ دیا تھا۔

رما نے مایوس آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ سوچنے لگا۔ رتن نے خط کا جواب کیوں نہیں دیا۔ کیا اتنی کج خلق ہے۔ کتنی مکار عورت ہے۔ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شرافت اور اخلاق کی پتلی ہے۔ مگر دل میں یہ غبار بھرا ہوا تھا۔ باقی روپوں کی فکر میں رما کو نہانے کھانے کی بھی یاد نہ رہی۔

کہار اندر گیا تو جالپا نے پوچھا۔ تمہیں کچھ دھندے کی بھی فکر ہے کہ سیر گشتی ہی کرتے رہو گے۔ دس بج رہے ہیں اور ابھی تک ساگ بھاجی کا کہیں پتہ نہیں۔

کہار نے تیور بدل کر کہا۔ تو کیا چار ہاتھ پیر کر لوں۔ کام ہی سے تو گیا تھا۔ بابو نے میم صاحب کے پاس روپیہ لینے کو بھیجا تھا۔

جالپا۔ میم صاحب کون؟

کہار۔ وہی جو موٹر پر چڑھ کر آتی ہیں۔

جالپا۔ تو لائے روپے؟

کہار۔ لایا کیوں نہیں۔ سو کوس پر تو رہتی ہیں۔ دوڑتے دوڑتے پاؤں ٹوٹ گئے

جالپا۔ اچھا چٹ پٹ جا کر ترکاری لاؤ۔

کہار تو ادھر گیا۔ رما روپے لئے ہوئے اندر پہنچا تو جالپا نے پوچھا۔ تم نے اپنے روپے رتن سے منگوا لئے نا؟ اب تو مجھ سے نہ لو گے؟

رما نے مایوسانہ انداز سے کہا۔ مت دو۔

جالپا۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ روپے دے دوں گی۔ پھر آدمی کیوں دوڑا دیا سمجھی ہوں گی نا، ہمیں میرا اتنا اعتبار بھی نہیں۔

رما۔ میں نے روپے نہیں مانگے تھے۔ صرف اتنا لکھ دیا تھا کہ تھیلی میں دو سو روپے زیادہ ہیں۔

جالپا ہنسکر بولی۔ میرے روپے بڑے بھاگوان ہیں دکھاؤں۔ چن چن کر نئے روپئے رکھے ہیں۔ سب چمچم دیکھو تو آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

یکایک کسی نے نیچے سے آواز دی۔ بابو جی سیٹھ نے روپے کے لئے بھیجا ہے!

منشی دیانا تھ کسی کام سے اندر آرہے تھے۔ سیٹھ کے پیادے کو دیکھ کر پوچھا۔ کون سیٹھ؟ کیسے روپے؟ میرے یہاں کسی کے روپے نہیں آتے۔

پیادہ بولا۔ چھوٹے بابو نے کچھ مال لیا تھا سال بھر ہو گیا۔ ابھی تک ایک پیسہ نہیں نہیں دیا۔ سیٹھ جی نے کہا ہے بات بگڑنے پر دیئے تو کیا دیئے آج کچھ ضرور دلوا دیجئے

دیانا تھ نے رما کو پکارا اور بولے۔ دیکھو کس سیٹھ کا آدمی آیا ہے اس کا کچھ حساب باقی ہے۔ صاف کیوں نہیں کر دیتے کتنا باقی ہے۔

رما کچھ جواب نہ دے پایا تھا کہ پیادہ بول اٹھا۔ پورے ساڑھے سو بابو جی!

منشی دیانا تھ کی آنکھیں پھیل کر پیشانی تک جا پہنچیں۔ سات سو! کیوں جی یہ نو سات سو کہتا ہے۔

رما نے ٹالنے کے ارادے سے کہا۔ مجھے ٹھیک معلوم نہیں۔

پیادہ۔ معلوم نہیں، پرزہ تو میرے پاس ہے۔ تب سے کچھ دیا ہی نہیں۔ کم کہاں سے ہو گئے؟

رما۔ تم چلو دکان پر میں خود آتا ہوں۔

پیادہ۔ ہم بغیر روپے لئے نہ جائیں گے صاحب! آپ یونہی ٹال دیا کرتے ہیں اور باتیں ہم کو سننی پڑتی ہیں۔

رما کو ساری دنیا کے سامنے ذلیل ہونا گوارا تھا، لیکن باپ کے سامنے اس طرح کی ذلت اس کے لئے موت سے کم نہ تھی۔ جس آدمی نے اپنی زندگی میں کبھی حرام کا ایک پیسہ نہ چھوا ہو، جس نے قرض لے کر کھانے کے بدلے بھوکوں سو رہنا منظور کیا ہو اس کا

لڑکا اتنا بے شرم اور بے غیرت ہو۔ رما اپنے والد کی روح کو اور زیادہ صدمہ نہ پہنچانا چاہتا تھا، تند لہجے میں پیادہ سے بولا۔ تم ابھی یہیں کھڑے رہو ہٹ جاؤ نہیں تو دھکے دے کر نکال دیئے جاؤ گے۔

پیادہ۔ ہمارے روپے دلوایئے ہم چلے جائیں۔ ہمیں آپ کے دروازے پر کیا مٹھائی ملتا ہے۔

رما۔ جاکر لالہ سے کہہ دو نالش کر دیں۔

منشی دیانا تھ نے ڈانٹ کر کہا۔ کیا بے شرمی کی باتیں کرتے ہو جی۔ جب گرہ میں روپے نہ تھے تو چیز لائے ہی کیوں؟ اور جب لائے تب ادا کرو۔ کہہ دیا نالش کر دو — نالش کر دے گا تو آبرو رہ جائے گی تمہاری، اور نہیں یہ سوجھی کیا کہ اتنا بڑا بوجھ سر پر لادا۔ کوئی شادی بیاہ کا موقع ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔ یہ عورت کیسی ہے جو شوہر کو ایسی بیہودگی کرتے دیکھتی ہے اور منع نہیں کرتی۔

رما کو یہ تنبیہہ بہت ہی بُری معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے خیال میں منشی جی کو اس معاملہ میں کچھ بولنے کا حق نہ تھا۔ گستاخی سے بولا۔ آپ ناحق اتنا بگڑ رہے ہو۔ آپ سے روپے مانگنے جاؤں تو کہیئے گا۔

اپنے دل میں اس نے کہا۔ ذلت آپ ہی کی بدولت ہو رہی ہے آپ ہی کی کرنی کا پھل بھوگ رہا ہوں۔

پیادہ نے باپ بیٹے میں تکرار ہوتی دیکھی تو چپکے سے راہ لی۔ منشی جی بھنناتے ہوئے نہانے چلے گئے۔ رما اُوپر گیا تو چہرہ پر خفت چھائی ہوئی تھی۔ جس بے عزتی سے بچنے کے لئے وہ ڈال ڈال پات پات بھاگتا پھرتا تھا وہ آج ہو ہی گئی۔ اس ذلت کے سامنے سرکاری روپوں کی فکر بھی غائب ہو گئی۔ رما ابھی عام قرض خوروں کی طرح بے غیرت نہیں ہوا تھا اگر موت کا فرشتہ اس کی جان لینے آتا تو وہ دوڑ کر اس کا خیر مقدم کرتا

جالپا نے پوچھا، تم نے کہا تھا اس کے اب تھوڑے ہی روپے باقی ہیں۔

رما نے سر جھکا کر کہا، بدمعاش جھوٹ بول رہا ہے۔

جالپا۔ دیئے ہوتے تو کیوں روپوں کا تقاضا کرتا۔ جب تمہاری آمدنی اتنی کم تھی تو گہنے لئے ہی کیوں۔ میں نے تو کبھی ضد نہ کی تھی اور مان لو میں ضد بھی کرتی تو تمہیں سمجھ بوجھ کر کام کرنا تھا۔ اپنے ساتھ مجھے بھی چار گالی سنوا دیں۔ آدمی ساری دنیا سے پردہ رکھتا ہے لیکن اپنی بیوی سے تو پردہ نہیں رکھتا۔ اگر میں جانتی تمہاری آمدنی اتنی تھوڑی ہے تو مجھے کیا کتّے نے کاٹا تھا کہ سارے محلہ کی عورتوں کو تانگے میں بٹھا بٹھا کر سیر کرانے لے جاتی۔ کہیں نالش کر دے تو سات سو کے ایک ہزار ہو جائیں۔ مجھے نہ معلوم تھا کہ تم مجھ سے یہ فریب کر رہے ہو۔ کوئی بازاری عورت تو تھی نہیں کہ تمہیں نوچ کھسوٹ کر اپنا گھر بھر لیتی۔ میں تو بھلے برے دونوں ہی کی ساتھی ہوں۔ بھلے میں تم چاہے میری بات نہ پوچھو۔ لیکن برے میں تو تمہارے گلے پڑوں گی ہی۔

رما کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ دفتر کا وقت آ گیا تھا، کھانا کھانے کی مہلت نہ تھی، کپڑے پہنے اور دفتر چلا۔ ابھی گھر سے نکلا ہی چاہتا تھا کہ جالپا لپک کر نیچے آئی اور بولی، میرے پاس جو دو سو روپے ہیں وہ کیوں نہیں صراف کو دے دیتے۔ رما نے چلتے وقت عمداً جالپا سے روپے نہ مانگے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ جالپا مانگتے ہی دیدے گی۔ لیکن باتیں سننے کے بعد روپے کے لئے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اُسے شرم آتی تھی۔ جالپا کی آواز سن کر ٹھٹک گیا اور بولا۔ اچھی بات ہے لاؤ دے دو، وہ باہر کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ جالپا دوڑ کر اوپر سے روپے لائی اور گن گن کر اس نے اس کی تھیلی میں ڈال دیئے۔ اس نے سمجھا تھا رما روپے پا کر پھولا نہ سمائے گا مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اسے ابھی تین سو روپوں کی فکر اور کرنی تھی، وہ کہاں سے آئیں گے۔

سڑک پر آ کر رما نے ایک تانگہ لیا اور رتن کے بنگلے پر جا پہنچا شاید رتن سے

ملاقات ہوجائے۔ وہ چاہے تو تین سو روپوں کا بڑی آسانی سے انتظام کرسکتی ہے راستہ میں وہ سوچتا جاتا تھا آج ذرا بھی تکلیف نہ کرونگا۔ ذرا دیر میں رتن کا بنگلہ آگیا، وہ سامنے ہی برآمدے میں بیٹھی تھی، رمانے اسے دیکھ کر ہاتھ اٹھایا۔ اس نے بھی ہاتھ اٹھایا، تانگہ سامنے سے نکل گیا وہ بنگلہ کے اندر نہ جاسکا۔ رتن بلاتی تو وہ چلا جاتا۔ وہ برآمدے میں نہ بیٹھی ہوتی تب بھی شاید وہ اندر چلا جاتا۔ لیکن اسے بیٹھی دیکھ کر وہ محجوب ہوگیا

جب تانگہ اور آگے پہنچا تو رمانے اسے چنگی کے دفتر چلنے کو کہا اور گیارہ بجتے بجتے وہاں جا پہنچا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ چھاتی دھڑک رہی تھی، رمیش بابو نے اس کو ضرور بلوچھا ہوگا جاتے ہی بلائیں گے دفتر کے کاموں میں وہ ذرا بھی رعایت نہیں کرتے۔ تانگہ سے اترتے ہی اس نے پہلے اپنے کمرے کی طرف نگاہ ڈالی۔ دیکھا۔ کئی آدمی اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ وہ ادھر نہ جاکر رمیش بابو کے یہاں پہنچا۔ یہ انتشار اب اس کی برداشت سے باہر تھا۔

رمیش بابو نے پوچھا۔ تم اب تک کہاں تھے جی۔ خزانچی صاحب تمہیں تلاش کرتے پھرتے ہیں، چپڑاسی ملا تھا۔

رمانے اٹک اٹک کر کہا۔ میں گھر پر نہ تھا۔ ذرا وکیل صاحب کے یہاں چلا گیا تھا ایک بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔

رمیش۔ کیسی مصیبت! گھر میں تو خیریت ہے۔

رما۔ جی ہاں خیر و عافیت تو ہے۔ کل شام کو یہاں کام بہت تھا میں اس میں ایسا پھنسا کہ وقت کی یاد نہ رہی۔ جب کام ختم کرکے اٹھا تو خزانچی صاحب چلے گئے تھے میرے پاس آمدنی کے آٹھ سو روپے تھے سوچنے لگا اسے کہاں رکھوں گا میرے کمرے میں کوئی صندوق تو ہے نہیں۔ یہی فیصلہ کیا کہ ساتھ لیتا جاؤں۔ پانچ روپے نقد رکھے وہ تو میں نے ہتھیلی میں رکھے تین سو کے نوٹ جیب میں رکھ لئے۔ اور گھر چلا

چوک میں دو ایک چیزیں لینی تھیں ادھر سے ہوتا ہوا گھر پہنچا تو نوٹ غائب تھے۔

رمیش نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ تین سو روپے کے نوٹ غائب ہو گئے۔

رما۔ جی ہاں۔ کوٹ کے اوپر کی جیب میں تھے کسی نے نکال لئے۔

رمیش۔ اور تم کو مار کر تھیلی نہیں چھین لی۔

رما۔ کیا بتاؤں بابو جی۔ تب سے ایسے خلجان میں پڑا ہوا ہوں کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ صبح سے اسی فکر میں دوڑ رہا ہوں لیکن کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔

رمیش۔ منشی جی سے تو تم نے کہا ہی نہ ہو گا۔

رما۔ ان کی عادت سے تو آپ واقف ہیں۔ روپے تو کیا دیتے الٹی ڈانٹ سناتے

رمیش۔ تو پھر کیا کرو گے۔

رما۔ آج شام تک کی مہلت دیجئے کچھ نہ کچھ کروں گا ہی۔

رمیش نے ترش ہو کر کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم سے اتنی لاپرواہی کیونکر ہوئی۔ میری جیب سے تو آج تک ایک پیسہ بھی نہ گرا۔ آنکھیں بند کر لیں تھیں یا نشہ میں تھے۔ مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آتا۔ سچ سچ بتلا دو۔ کہیں اناپ شناپ تو نہیں خرچ کر ڈالے۔ اس دن تم نے مجھ سے روپے کیوں مانگے تھے۔

رما کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ رمیش کا قیاس اصلیت کے بہت قریب جا پہنچا تھا۔ بولا۔ کیا سرکاری روپے خرچ کر ڈالونگا۔ اس دن آپ سے روپے اس لئے مانگے تھے کہ بابو جی کو ایک ضرورت آ پڑی تھی۔ میں نے آپ کا خط انہیں سنا دیا۔ بہت نوٹوں کے غائب ہونے کا تو مجھے خود بھی تعجب ہے۔

رمیش۔ تمہیں منشی جی سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہو تو میں لکھ کر منگوا لوں۔

رما نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس سے تو کہیں بہتر ہے آپ مجھے گولی مار دیں

رمیش نے ذرا تامل کر کے کہا۔ تمہیں یقین ہے شام تک روپے مل جائیں

گئے۔

رما۔ جی ہاں اُمید تو ہے۔

رمیش۔ پھر یہ پانچسو روپے جمع کردو۔ مگر دیکھو بھائی میں صاف صاف کہہ دیتا ہوں اگر کل دس بجے تک روپیہ نہ لائے تو مجھے الزام نہ دینا۔ قاعدہ تو یہی کہتا ہے کہ میں اسی وقت تمہیں پولیس کے حوالے کردوں۔ لیکن تم ابھی لڑکے ہو۔ اس لئے رعایت کرتا ہوں۔ ورنہ تمہیں معلوم ہے کہ میں سرکاری کاموں میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتا۔ تمہاری جگہ اگر میرا لڑکا یا بھائی ہوتا تو میں اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کرتا۔ بلکہ شاید اس سے سخت۔ میرے پاس روپے ہوتے تو تمہیں دے دیتا۔ لیکن میری حالت تم جانتے ہو۔ نہ کسی کو قرض دیتا ہوں نہ کسی سے لیتا ہوں۔ کل روپے نہ آئے تو برا ہوگا۔ میری دوستی بھی تمہیں پولیس کے پنجہ سے نہ بچا سکے گی۔ میری دوستی نے تو آج اپنا حق ادا کردیا۔ ورنہ اس وقت تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوتیں۔

ہتھکڑیاں!! رما سر سے پیر تک کانپ اٹھا۔ اس ذلت اور رسوائی کا خیال کرکے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ سزایافتہ قیدی کی طرح اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مگر وہ لفظ رہ رہ کر اس کے دل کو مسوس لیتا تھا۔

(۲۰)

رما شام کو دفتر سے چلنے لگا تو رمیش بابو دوڑے ہوئے آئے اور کل روپے لانے کی سخت تاکید کی۔ رما دل میں جھنجلا اُٹھا۔ آپ بڑے ایماندار کی دم بنے ہیں مکار کہیں کا۔ اگر اپنی ضرورت آپڑے تو دوسروں کے تلوے سہلاتے پھریں گے۔ مگر میرا کام ہے تو آپ اصول پرور بن بیٹھے۔ یہ سب دکھانے کے دانت ہیں مرنے کے وقت اس کی جان بھی جلد نہ نکلے گی۔